عیدمیلادالنبیﷺ / حقائق کے آئینے میں

ترتیب وتحریر

ابومعاویہ عبداللہ طاہر، ابواحمد وقاص زبیر

اسلامک ریسرچ سنٹر راولپنڈی

اللہ تعالی نے دین اسلام کو مکمل فرما کر قرآن مجید میں یہ اعلان فرمادیا: الیوم أکملت لکم دینکم وأتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔ (المائدۃ:۳)

اس آیت کے ساتھ اللہ رب العزت نے دین اسلام کی تکمیل فرمادی۔اب اس میں کسی کمی بیشی کی گنجائش نہیں۔ ہر اس طریقہ کار کو قرآن وسنت کی روشنی میں واضح اور کھول کر بیان کردیا گیا، جو اللہ تعالی کی رضامندی کا ذریعہ ہے۔اس طریقہ کار کو ہم صرف اور صرف قرآن وسنت کے ذریعے سے ہی معلوم کرسکتے ہیں۔اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد ہے:

یاایھاالذین آمنوا أطیعوا اللہ وأطیعوا الرسول ولا تبطلوا أعمالکم(محمد:۳۳)

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اور (ان کی نافرمانی کرکے) اپنے اعمال برباد نہ کرو''۔

قرآن وسنت کی اتباع کے ساتھ ساتھ ہمیں دین میں نئی باتیں ایجاد کرنے اور ان پر عمل کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔کیونکہ دین میں ہر نیا ایجاد کردہ کام ''بدعت'' کہلاتا ہے، جو کہ گمراہی ہے۔اس سلسلے میں امام کائنات، امام اعظم سیدنا محمد رسول اللہﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے:

من أحدث فی أمرنا ھذا ما لیس منه فھو رد۔ (صحیح بخاری:۲۶۹۷)

''جس نے ہمارے اس حکم (دین) میں کوئی نئی بات ایجاد (کرکے داخل) کی، جو اِس میں نہ تھی تو وہ قابلِ رد ہے''۔

موجودہ دور میں لوگ بہت سی بدعات کے مرتکب ہورہے ہیں۔چونکہ یہ بدعات نیکی سمجھ کر کی جاتی ہیں، اس لئے ان کو عام طور پر برا بھی نہیں سمجھا جاتا۔اس مختصر سے مضمون میں ہم بدعت کی حقیقت اور اس کے حکم کو قرآن وسنت اور فہمِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

بدعت کا معنی: لغوی طور پر ''بدعت'' ہر اس نئی چیز کو کہتے ہیں، جو سابقہ مثال کے بغیر بنائی گئی ہو، چنانچہ اس معنی میں قرآن میں اللہ تعالی کی ایک صفت وارد ہے:

بدیع السماوات والأرض۔ یعنی ''زمین وآسمان کو سابقہ کسی مثال کے بغیر پیدا کرنے والا''۔(البقرۃ:۱۱۷)

بدعت کی شرعی تعریف: حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ولیس له أصل فی الشرع ویسمی فی عرف الشرع بدعة وما کان له أصل یدل علیه الشرع فلیس ببدعة، فالبدعة فی عرف الشرع مذمومة بخلاف اللغة۔

''جس کی شریعت میں کوئی اصل نہ ہو، شرعاً اسے بدعت کہتے ہیں، اور جس کی شریعت میں اصل (دلیل) ہو، وہ بدعت نہیں، لہذا شرعاً جسے بدعت کہا جاتا ہے، وہ مذموم ہے، اور لغوی معنی کے اعتبار سے ہر بدعت مذموم نہیں ہوتی''۔(فتح الباری:۱۳/۲۵۳)

تقریبا یہی تعریف حافظ ابن رجب رحمہ اللہ نے کی ہے۔(جامع العلوم والحکم:۱۹۳)۔

احناف کے بزرگ، علامہ عینی حنفی بدعت کی تعریف یوں کرتے ہیں:

''بدعت دین میں ہر اس نئے کام کو کہتے ہیں، جس کی اصل کتاب وسنت میں نہ ہو، ایک قول یہ بھی ہے کہ ایسی چیز کا اظہار جو نبی اکرمﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں نہ ہو''۔(عمدۃ القاری فی شرح صحیح البخاری:۲۵/۳۷)

بریلوی مکتبۂ فکر کے مشہور عالم، جناب غلام رسول سعیدی صاحب اپنی کتاب، صحیح مسلم کی شرح میں لکھتے ہیں:

''اس سلسلے میں صحیح قاعدہ یہ ہے کہ جس خاص عبادت کے کرنے کا محرّک ہو اور اس کے کرنے سے کوئی مانع نہ ہو، اس کے باوجود رسول اللہﷺ نے وہ کام قصداً ترک کیا ہو تو وہ کام کرنا یقیناً ناجائز امرِ بدعت ہے''۔(شرح صحیح مسلم:۲/۵۴۵)

درج بالا علماء کی تصریحات اور غلام رسول سعیدی بریلوی صاحب کی اس تعریف سے واضح ہوتا ہے کہ ''بدعت'' ہر وہ عمل ہے جس کی اصل کتاب وسنت میں نہ ہو، اور لغوی بدعت اس میں شامل نہیں۔

بدعت کا حکم: ہر بدعت گمراہی ہے، اور اللہ کی شریعت میں اضافہ ہے۔(نعوذ باللہ)

۱۔رسول اللہ ﷺ اپنے خطبے میں یہ الفاظ فرمایا کرتے تھے: وشر الأمور محدثاتها وكل بدعة ضلالة ۔ ''اور برے ترین اعمال بدعات ہیں، اور ہر بدعت گمراہی ہے''۔(صحیح مسلم: ۸۶۷)

۲۔سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں وصیت کرتے ہوئے فرمایا: ''جو لوگ میرے بعد زندہ رہیں گے، وہ بہت اختلاف دیکھیں گے، ایسے حالات میں میری سنت پر عمل کرنے کو لازم پکڑنا اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقے کو مضبوطی سے تھامے رکھنا، اور اس پر سختی سے جمے رہنا، نیز دین میں پیدا ہونے والی نئی نئی باتوں سے اپنے دامن کو بچا کر رکھنا، کیونکہ دین میں ہر نئی بات بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے''۔(سنن ابی داود: ۴۶۰۷، سنن ابن ماجہ: ۴۲)

درج بالا احادیث کسی بھی غیر جانبدار آدمی کے فیصلہ کرنے کے لئے کافی ہیں۔آج بھی ہر طرف اختلاف کا دور دورہ ہے، ہر آدمی اپنے مولوی، اپنے امام اور اپنے بزرگ کی بات کرتا ہے، ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنے فرقوں اور برادری کے تعصب سے بالاتر ہو کر امام کائنات، سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی سچی تعلیمات کو سینے سے لگائیں۔

۳۔فقیہ الامہ، سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''عنقریب میرے بعد تمہارے معاملات ایسے لوگوں کے ہاتھ لگ جائیں گے، جو سنت کو مٹائیں گے، بدعتیں جاری کر کے ان پر عمل کریں گے، نمازوں کو ان کے اوقات سے لیٹ کریں گے، میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر میں ان کو پاؤں تو کیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ام معبد کے بیٹے! تو مجھ سے پوچھتا ہے کہ کیا کرے، جو اللہ کا نافرمان ہے اس کی کوئی اطاعت نہیں۔(سنن ابن ماجہ: ۲۸۶۵)

۴۔ترجمان القرآن سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''ہر سال کچھ لوگ کوئی نہ کوئی بدعت جاری کر دیتے ہیں، اور اس کی جگہ کوئی نہ کوئی سنت مٹا دیتے ہیں، نتیجہ یہ ہوگا کہ بدعتیں زندہ اور سنتیں مردہ ہو جائیں گی''۔(البدع والنهى عنها لابن وضاح: ۹۹)

۵۔امام حسان بن عطیہ تابعی فرماتے ہیں: ''لوگ اپنے دین میں جتنی بھی بدعات جاری کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اتنی ہی سنتیں ان سے چھین لیتا ہے، پھر تا قیامت ان لوگوں کو (ان سنتوں پر عمل کی توفیق) نہیں لوٹاتا''۔(سنن دارمی: ۹۹)

معلوم ہوا کہ بدعت کا سب سے خطرناک نقصان یہ ہوتا ہے کہ سنتیں ہم سے ہمیشہ کے لئے چھوٹ جاتی ہیں، اور آج لوگوں سے انہی بدعات کے سبب بے شمار سنتیں چھوٹی ہوئی ہیں حتیٰ کہ لوگوں کو جب ان سنتوں کی ترغیب دلائی بھی جائے تب بھی وہ ان کو ماننے سے انکار کر دیتے ہیں۔(والعیاذ باللہ)۔

بدعت کی اقسام: بعض لوگوں نے بدعت کو دو اقسام میں تقسیم کیا ہوا ہے: بدعت حسنہ، اور بدعت سیئہ۔

۱۔حالانکہ امام کائنات، سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات ہمیں یہ بتاتی ہیں کہ ہر بدعت گمراہی ہے، جیسا کہ ''نمبر ا'' میں حدیث واضح ہے۔

۲۔سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: كل بدعة ضلالة ، وان راها الناس حسنة ۔''ہر بدعت گمراہی ہے، اگرچہ لوگ اسے 'بدعت حسنہ' سمجھیں''۔

(السنة لمحمد بن نصر المروزی: ۸۱، المدخل الى السنن الكبرى للبيهقى: ۱۹۱ و سنده صحيح)

جلیل القدر صحابی نے یہ فیصلہ کر دیا کہ کوئی بدعت حسنہ یا اچھی نہیں ہوتی۔ بلکہ ہر بدعت گمراہی ہوتی ہے۔

۳۔سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے خطبہ میں فرمایا کرتے تھے: وكل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة ۔

''(دین میں) ہر نیا کام بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے''۔(البدع والنهى عنها لابن وضاح: ۶۱)

جب ہر بدعت گمراہی ہے، تو پھر گمراہی حسنہ (اچھی) کیسے ہو سکتی ہے؟؟

بدعت کا خطرناک انجام:

بدعت انسان کے اعمال برباد کر دیتی ہے اور اسے جہنم لے جانے کا ذریعہ بنتی ہے۔صحیح حدیث ملاحظہ فرمائیں:

۱۔سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں حوض کوثر پر تم سے پہلے موجود ہوں گا، جو شخص بھی میری طرف آئے گا وہ اس کا پانی پئے گا، پھر وہ کبھی پیاسا نہیں ہوگا اور وہاں کچھ ایسے لوگ بھی آئیں گے، جنہیں میں پہچان لوں گا (کہ یہ میرے امتی ہیں) لیکن پھر انہیں میرے سامنے سے ہٹا دیا جائے گا''۔

(صحیح بخاری: ۶۵۸۳)

آپ ﷺ فرمائیں گے: ''یہ تو مجھ سے ہیں''، تو جواب میں کہا جائے گا: آپ ﷺ کو نہیں معلوم کہ انہوں نے آپ ﷺ کے بعد دین میں کیا کیا نئی چیزیں ایجاد کر لی تھیں، اس پر آپ ﷺ فرمائیں گے: ''دور ہو جائے وہ شخص جس نے میرے بعد میرے دین میں تبدیلی کر لی تھی''۔(صحیح بخاری: ۶۵۸۴)

۲۔سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((ان الله حجب التوبة عن صاحب كل بدعة۔))
''بے شک اللہ تعالی توبہ کو ہر بدعتی سے دور کر دیتا ہے''۔(المعجم الاوسط للطبرانی:۲۸۱/۴، ح:۴۲۰۲، واسنادہ صحیح)
اس حدیث سے بدعت کی سنگینی واضح ہے۔

بدعت کے متعلق چند شبہات کا ازالہ

اعتراض۱: بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ پنکھا، بجلی، لاؤڈ سپیکر وغیرہ بھی تو بدعت ہیں۔۔۔۔
اس کا جواب یہ ہے کہ شرعی طور پر بدعت ہر اس کام کو کہتے ہیں جسے دین سمجھ کر یا دین میں داخل کیا جائے، جیسا کہ اس حدیث میں بالکل واضح ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
((من أحدث في ديننا ما ليس منه فهو رد۔)) ''جو ہمارے دین میں ایسی بات نکالے، جو اس میں موجود نہ ہو تو وہ مردود ہے''۔
(جزءمن حدیث لوین:۶۲، شرح السنۃ للبغوی:۱۸۴/۱، ح:۱۰۳، وسندہ حسن)
اور یہ بات بھی بالکل واضح ہے کہ یہ کام کوئی شخص بھی دین یا ضروریات دین سمجھ کر نہیں کرتا۔ اور دنیاوی امور کے متعلق تو خود امام اعظم، سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نے فرما دیا تھا:
((أنتم أعلم بأمور دنياكم۔)) ''دنیاوی امور کو تم بہتر جانتے ہو''۔(صحیح مسلم:۲۳۶۳)
اس حدیثِ مبارکہ سے یہ اصول ثابت ہوا کہ دنیاوی کاموں میں جب تک ممانعت وارد نہ ہو، کر سکتے ہیں، جبکہ دین کے کاموں میں اللہ تعالی کا حکم ضروری ہے، جب تک شرعی دلیل نہ ہو، ان کا کرنا ممنوع ہے۔

اعتراض۲: بعض لوگ یہ روایت پیش کرتے ہیں:((من سن في الاسلام سنة حسنة فعمل بها بعده كتب له مثل أجر من عمل بها۔۔۔))
''جس نے اسلام میں اچھا طریقہ جاری کیا، پھر اس پر عمل بھی کیا گیا، تو اس کے لئے عمل کرنے والوں کے ثواب کی طرح ثواب ملے گا۔۔۔''
اس حدیث سے بدعت کی مشروعیت کے لئے دلیل پکڑنا نہایت ہی حیران کن ہے!! کیونکہ اگر اس حدیث کا بغور مطالعہ کر لیا جائے، تو واضح ہوتا ہے کہ ان الفاظ سے پہلے ایک واقعہ مذکور ہے، جو ان الفاظ کا سبب بنا ہے۔ چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں چند دیہاتی آئے، جو اونی کپڑے پہنے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے ان کی خستہ حالت اور حاجت کو دیکھ کر لوگوں کو صدقہ کرنے کے لئے کہا۔ لوگوں نے کچھ تاخیر کی، جس سے آپ ﷺ کے چہرے پر ناراضگی کے آثار نمودار ہوئے۔ پھر ایک انصاری درہموں کا تھیلا لے کر آیا، پھر دوسرا آیا، اس طرح لانے والوں کی قطار بن گئی، حتی کہ نبی کریم ﷺ کے چہرہ اقدس پر خوشی و فرحت کے آثار دکھائی دینے لگے، اس پر آپ ﷺ نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔
(صحیح مسلم:۱۰۱۷)
اس واقعے کی تفصیل دیکھنے کے بعد مزید وضاحت کی ضرورت باقی نہیں رہتی، کہ اس سے بدعت کا جواز قطعاً ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ صدقہ و خیرات کی شریعت میں اصل موجود ہے اور جس کی اصل موجود ہو وہ قطعاً بدعت نہیں۔ جیسا کہ اس کی تفصیل ''بدعت کی تعریف'' میں گزر چکی ہے۔ اور اس حدیث میں ''اچھا طریقہ'' جاری کرنے سے مراد وہ طریقہ ہے جس کی کتاب و سنت میں اصل (دلیل) ہو، لیکن کسی وجہ سے وہ عمل موقوف ہو چکا ہو۔ لہٰذا اس حدیث سے بدعت کا استدلال لینا سراسر ناانصافی ہے۔

اعتراض۳: بعض لوگ نماز تراویح کے حوالے سے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ قول پیش کرتے ہیں: نعم البدعة هذه۔۔۔(صحیح بخاری:۲۰۱۰)
عرض یہ ہے کہ نمازِ تراویح قطعاً بدعت نہیں، کیونکہ اس کی اصل (دلیل) نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے، اس کے بہت سے ادلہ احادیث مبارکہ میں موجود ہیں۔ ان میں سے ایک ملاحظہ فرمائیں: سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:((انه من قام مع الامام حتى ينصرف كتب له قيام ليلة))۔
''جو شخص امام کے ساتھ قیام کرتا ہے یہاں تک کہ وہ (امام) لوٹ جائے، تو اس کے حق میں پوری رات کا قیام لکھ دیا جاتا ہے''۔(سنن ترمذی:۸۰۶، واسنادہ صحیح)
اس کا ثبوت اللہ کے نبی ﷺ سے بالفعل بھی ثابت ہے۔ لیکن تراویح کے فرض ہونے کے ڈر سے اللہ کے نبی ﷺ نے تین دن کے بعد اس کی جماعت کو ترک کر دیا تھا۔
دیکھئے (صحیح بخاری:۲۰۱۲، صحیح ابن خزیمہ:۱۳۸/۲، ح:۱۰۷۰، صحیح ابن حبان:۲۴۰۱) یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اصل کے موجود ہونے کے باعث مختلف ٹولیوں کی شکل میں نماز تراویح ادا کیا کرتے تھے، جیسا کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہی واضح ہے، اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے تمام مسلمانوں کو ایک امام کے پیچھے جمع فرما دیا۔(لو جمعت هؤلاء على قارىء واحد ، لكان أمثل)۔ اور اس موقع پر آپ رضی اللہ عنہ نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بدعت کا لفظ لغوی معنی میں مراد لیا ہے، جو کہ مذموم نہیں، البتہ شرعاً ہر بدعت گمراہی ہے، جیسا کہ بدعت کی تعریف میں یہ بات گزر چکی ہے۔ اس بات کی تائید خود سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بیٹے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
كل بدعة ضلالة ، وان راها الناس حسنة ۔ ''ہر بدعت گمراہی ہے، اگرچہ لوگ اسے 'بدعت حسنہ' سمجھیں''۔(السنة لمحمد بن نصر المروزی:ص ۲۴)

اعتراض نمبر٤: بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ان بدعات (مثلاً عید میلاد النبی ﷺ، چالیسواں، گیارہویں وغیرہ) سے منع بھی تو نہیں فرمایا، اس لئے یہ کام بالکل جائز ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت نے ہر ہر چیز کا نام لے کر اسے ناجائز وحرام قرار نہیں دیا، بلکہ اصول بیان کئے ہیں، جو چیز ان اصولوں پر پوری اترے اس کا حکم وہی ہے جو اصول کا ہے۔ مثلاً ''ہر کچلی والا درندہ حرام ہے'' (صحیح مسلم: ۱۹۳۲)، یہ اصول بیان کر دیا گیا، اور اس کے تحت جتنے بھی جانور ہیں وہ حرام قرار پائیں گے۔ لیکن جانوروں کی لسٹ قرآن و سنت میں نہیں ملے گی کہ یہ حرام اور یہ حلال!!! بالکل اسی طرح شرعی کاموں کے لئے بھی اصول بیان کر دیا گیا کہ ((كل بدعة ضلالة)).
''ہر بدعت گمراہی ہے''۔ (صحیح مسلم: ۱۸۶۷) تو اس اصول کے تحت دین میں کوئی کام بھی اپنی طرف سے ایجاد نہیں کیا جا سکتا۔ ورنہ وہ بدعت کے زمرے میں آئے گا، جو کہ سراسر گمراہی ہے۔

اسی لئے مشہور مفسر قرآن، امام ابن کثیر رحمہ اللہ بڑی زبردست بات کہتے ہیں: ''اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کہ ہر وہ قول وفعل جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت نہ ہو، بدعت ہے، اگر وہ کارِ خیر ہوتا تو وہ (صحابہ) ہم سے پہلے یہ کام کرتے، کیونکہ وہ کوئی نیک کام نہیں چھوڑتے تھے، بلکہ اس میں جلدی کرتے تھے''۔ (تفسیر ابن کثیر: ۵/۵۶۷)

جلیل القدر، ثقہ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لا يستقيم قول الا بعمل ، ولا يستقيم قول وعمل الا بنية ، ولا يستقيم قول و عمل و نية الا بموافقة السنة .

''کوئی قول عمل کے بغیر درست نہیں، کوئی قول وعمل نیت کے بغیر درست نہیں اور کوئی قول وعمل ونیت سنت کی موافقت کے بغیر درست نہیں''۔

(حلیۃ الاولیاء لابی نعیم الاصبہانی: ۷/۳۲، وسندہ حسن)

درج بالا تمام باتیں موجودہ دور کی تمام بدعات پر فٹ ہوتی ہیں، ان بدعات میں سرفہرست عید میلاد النبی ﷺ ہے۔ اور اب تو لوگوں نے اس کے منانے کے شرعی طریقے دریافت کر لئے ہیں۔۔!!! آیئے ایک نظر عید میلاد النبی ﷺ کی طرف بھی ڈالتے ہیں:

عید میلاد النبی ﷺ

یہ بات ذہن میں رہے کہ امام کائنات، امام اعظم سیدنا ومحبوبنا محمد رسول اللہ ﷺ کی محبت وتعظیم ہر مومن کے ایمان کا جزوِ لازم ہے، لیکن اس تعظیم کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ ﷺ کی تعلیمات کو پسِ پشت ڈال کر دین میں اپنی طرف سے اضافے کرنا شروع کر دیئے جائیں۔ اگر نبی اکرم ﷺ کی تعظیم میں آ کر ہم آپ ﷺ کی ہی مخالفت شروع کر دیں گے تو یہ بدترین گستاخی ونافرمانی ہے۔ (والعیاذ باللہ)

عید میلاد النبی ﷺ کے بارے میں جو شخص بھی بنظر انصاف، درج بالا بحث پڑھ لے گا وہ لامحالہ اسے بدعت ہی قرار دے گا، لیکن اتمام حجت کے لئے درج ذیل باتوں پر غور فرمائیں:

ا۔ جشن عید میلاد النبی ﷺ کا کوئی وجود نبی اکرم ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین وتبع تابعین کے دور میں نہیں ملتا۔ اور اس بات کا اعتراف ان لوگوں کو بھی ہے جو لوگ عید میلاد منانے میں پیش پیش ہیں۔ چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

i۔ بریلوی مکتبہ فکر کے معتبر عالم غلام رسول سعیدی صاحب (جنہوں نے صحیح مسلم کی شرح بھی لکھی ہے) لکھتے ہیں:

''سلف صالحین یعنی صحابہ اور تابعین نے محافلِ میلاد نہیں منعقد کیں بجا ہے''۔ (شرح صحیح مسلم: ۳/۱۷۹)

ii۔ بریلوی مکتبہ فکر کے حکیم الامت مفتی احمد یار نعیمی گجراتی نے علامہ سخاوی سے نقل کیا ہے: ''میلاد شریف تینوں زمانوں میں کسی نے نہ کیا، بعد میں ایجاد ہوا''۔

مزید لکھتے ہے: ''جس بادشاہ نے پہلے اس کو ایجاد کیا، وہ شاہ اربل ہے اور ابن دحیہ نے اس کے لئے میلاد شریف کی ایک کتاب لکھی، جس پر بادشاہ نے اس کو ہزار اشرفیاں نذر کیں''۔ (جاء الحق: ۱/۲۳۷)

علامہ سخاوی کی مذکورہ بالا عبارت بریلوی مکتبہ فکر کے علامہ محمد ظفر عطاری نے اپنی کتاب ''حق پر کون؟ صفحہ ۲۳۳'' اور نام نہاد شیخ الاسلام طاہر القادری نے بھی اپنی کتاب ''میلاد النبی ﷺ'' کے صفحہ نمبر ۳۴۹ میں بھی نقل کی ہے۔

iii۔ عبدالسمیع رامپوری بریلوی لکھتے ہیں: ''یہ سامان فرحت وسرور اور وہ بھی مخصوص مہینے ربیع الاول کے ساتھ، اور اس میں خاص وہی بارہواں دن میلاد شریف کا معین کرنا بعد میں ہوا یعنی چھٹی صدی کے آخر میں''۔ (انوار ساطعہ: ۱۰۹)

iv۔ مولوی قاضی فضل احمد بریلوی لکھتے ہیں: ''یہ امر بھی مسلمہ ہے کہ اس ہیئت کذائیہ سے یہ عمل خیر وبرکت ونعمت ورحمت ۶۰۴ھ سے بحکم بادشاہ اولی الامر۔۔۔ جاری ہے''۔

(انوار آفتاب صداقت، ص۳۹۳)

۷۔ بریلوی مکتبہ فکر کے نام نہاد شیخ الاسلام ڈاکٹر طاہر القادری نے صحابہ رضی اللہ عنہم کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے: ''سووہ (صحابہ کرام) ولادت کی خوشی میں جشن مناتے، نہ وصال کے غم میں افسردہ ہوتے''۔ (میلاد النبی ﷺ، ص۴۵۴)

معلوم ہوا کہ جشن عید میلاد منانے والوں کے ہاں بھی پہلے ۳۰۰ یا ۶۰۰ سال تک مسلمان اس عید سے ناآشنا تھے۔ تو جب ایک چیز کا وجود ہی نبی اکرم ﷺ، صحابہ وتابعین کے زمانے میں نہیں تھا، تو اس کے دلائل قرآن وسنت سے پیش کرنا رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم واولیاء عظام کی سراسر گستاخی ہے۔ کہ واضح طور پر قرآن وحدیث میں جشن عید میلاد النبی ﷺ کے دلائل موجود ہونے کے باوجود ان عظیم ہستیوں نے نہ تو خود اس عید میلاد کو منایا اور نہ ہی امت کو اس کی تعلیم دی۔۔۔!!!! سوچیں ایسا کہنے کے بعد آدمی مسلمان کہلوانے کے قابل رہ جاتا ہے؟؟؟ بدعت کی یہی تو خرابی ہے کہ بظاہر نیکی کے زعم باطل میں انسان ایمان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔

۲۔ امام کائنات، سیدنا ومحبوبنا محمد رسول اللہ ﷺ کی تاریخ ولادت کیا ہے؟؟ اس میں سخت اختلاف پایا جاتا ہے۔ اگر ۱۲ ربیع الاول کو عید میلاد منانا، سلف صالحین کا شعار ہوتا، تو تاریخ ولادت میں اس قدر کثیر اختلاف نہ ہوتا۔ تاریخ ولادت کے بارے میں ذرا ائمہ کرام کی تصریحات ملاحظہ ہوں:

پہلا قول: آپ ﷺ کی ولادت ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی۔ یہ قول علامہ ابن رجب رحمہ اللہ، محمد بن اسحاق، علامہ ابن کثیر، امام ابن حبان رحمھم اللہ وغیر ہم کا ہے۔

(البدایۃ والنہایۃ، سیرت ابن ہشام ودیگر کتب)

دوسرا قول: ۸ ربیع الاول۔ یہ قول علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ (الاستیعاب: ۱/۱۳۷)، امام مالک رحمہ اللہ (البدایۃ والنہایۃ: ۳/۳۱) وغیر ہم کا ہے، اسی طرح بریلویوں کے اعلیٰ حضرت احمد رضا خان نے بھی ۸ ربیع الاول کو جمہور کی رائے قرار دیا ہے۔ دیکھئے: (فتاویٰ رضویہ: ۲۶/۴۱۲)

تیسرا قول: ۲ ربیع الاول: یہ قول علامہ جمال الدین مزی کا ہے۔ (تہذیب الکمال: ۱/۳۸)

چوتھا قول: ۱۰ ربیع الاول۔ یہ قول محمد بن سعد نے ابو جعفر محمد بن علی کے حوالے سے نقل کیا ہے (طبقات ابن سعد: ۱/۱۲۱) امام ذہبی رحمہ اللہ کے شیخ ابو محمد الدمیاطی کا بھی یہی قول ہے (تاریخ الاسلام للذھبی: ۱/۱۶)

پانچواں قول: ۱۰ محرم۔ یہ قول شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کا ہے۔ (غنیۃ الطالبین: ۲/۳۹۲)

اس کے علاوہ بے شمار اقوال ہیں، جو یہاں بیان نہیں ہو سکتے، قصہ مختصر یہ کہ اگر نبی اکرم ﷺ کے ولادت کے دن عید منانا سلف میں رائج ہوتا تو تاریخ ولادت میں اس قدر شدید اختلاف نہ ہوتا۔ جیسا کہ اسلام کی بقیہ دو عیدوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

۳۔ محدثین کرام نے اپنی احادیث کی کتب میں عیدین کے مسائل مستقل باب باندھ کر بیان کئے ہیں، لیکن ان میں کہیں بھی عید میلاد النبی ﷺ کا تذکرہ تک نہیں ہے، یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ یہ عید بعد میں ایجاد کی گئی، سلف میں اس کا رواج نہیں تھا۔

۴۔ میلاد منانے والے یہ ماننے کے باوجود کہ یہ عید میلاد ۶۰۰ سال بعد ایجاد ہوئی، قرآن سے اس کی دلیل پیش کر کے قرآن میں تحریف معنوی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ مثلاً اس سلسلہ میں ایک آیت یہ پیش کی جاتی ہے:

قل بفضل الله وبرحمته فبذلك فليفرحوا (یونس: ۵۸)۔ ''کہہ دیجئے کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کی بنا پر لوگ خوش ہو جائیں''۔

میلادی طبقے اس کا معنی یہ کرتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت پر خوشی مناؤ''۔ حالانکہ ''فرح'' کا معنی خوش ہونا یا خوشی محسوس کرنا ہوتا ہے، نہ کہ خوشی مناؤ۔ جیسا کہ صحیح بخاری (۱۹۱۵) میں ہے کہ جب سورہ البقرۃ کی آیت ۱۸۷ نازل ہوئی 'ففرحوا بها فرحا شديدا'' ''اس پر صحابہ کرام بہت خوش ہوئے''۔ کیا صحابہ کرام نے خوشی منائی اور جلوس نکالا؟؟؟

دوسری بات یہ کہ اگر اس کا ترجمہ خوشی مناؤ ہی کرنا ہے، تو کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، تبع تابعین اس آیت کا معنی نہیں سمجھے تھے؟؟ جب انہوں نے اس آیت سے خوشی منانے اور جلوس نکالنے کا مطلب نہیں لیا تو آج ۱۴ صدیاں بعد یہ معنی کیسے درست ہو سکتا ہے!!!!

ہند و پاک میں جشن عید میلاد النبی ﷺ کا آغاز

یہاں یہ بات بڑی حیران کن ہے، کہ جیسے آج ہند و پاک میں ۱۲ ربیع الاول کو یہ جشن بڑے تزک واحتشام سے منایا جاتا ہے، ماضی میں ایسا ہرگز نہ تھا۔ بلکہ ۱۲ ربیع الاول کا دن بطور میلاد نہیں، ۱۲ وفات کے نام سے جانا جاتا تھا۔ اس کا اعتراف خود میلادیوں نے بھی اپنی کتب میں کر رکھا ہے۔ چند حوالے ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ بریلوی مکتبہ فکر کے مشہور عالم عبدالحکیم شرف قادری اپنے ایک عالم محمد نور بخش توکلی کے حالات ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’آپ ہی کی مساعی جمیلہ سے متحدہ ہندو پاک میں ۱۲ وفات کی بجائے عید میلا دالنبی ﷺ کے نام سے تعطیل ہونا قرار پائی تھی‘‘۔(تذکرہ اکابر اہل سنت، ص ۵۵۹)
یہی عبدالحکیم صاحب لکھتے ہیں: ’’۱۲ ربیع الاول شریف کو عام طور پر ۱۲ وفات کہا جاتا تھا، یہ حضرت علامہ توکلی کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ گورنمنٹ کے گزٹ میں عید میلا دالنبی ﷺ کا نام منظور کروایا، اور اس دن کی عام تعطیل منظور کروائی‘‘۔(عظمتوں کے پاسباں، ص ۳۴۷)

۲۔آج سے قریبا ایک صدی قبل تہذیب نسواں کے نام سے ایک اخبار شائع ہوا کرتا تھا، جس کے ایڈیٹر سید ممتاز علی صاحب تھے۔انہوں نے جشن عید میلاد کے حوالے سے جتنے مضامین ۱۹۰۹ء سے ۱۹۳۴ء تک اپنی اس اخبار میں شائع کئے، اسے ۱۹۳۴ء کو کتابی شکل میں شائع کیا، اور اس کا نام ’’سبیل الرشاد‘‘ رکھا۔اس کتاب کے شروع میں ان کا دعوی ہے: ’’منفردہ مجالس کے علاوہ اس بابرکت تہوار(عید میلاد) کو خاص میلاد کی تاریخ پر بطور عام قومی جشن کے عید میلاد کے نام سے منانے کی تحریک سب سے پہلے ۱۹۰۹ء میں خاکسار راقم نے مسلمانوں کے سامنے پیش کی‘‘۔(سبیل الرشاد، ص ۱)

اور اس کے پیچھے ان کی کیا نیت کارفرما تھی، وہ بھی پڑھ لیں۔فرماتے ہیں: ’’آج ۲۵ دسمبر عیسائیوں کا بڑا دن ہے۔۔۔لیکن ۲۵ دسمبر کو دن کی چھوٹائی، بڑائی سے کچھ تعلق نہیں، یہ وہ دن ہے کہ اس سے پہلی شب کو حضرت مسیح علیہ السلام پیدا ہوئے، یعنی رات کو ولادت ہوئی، اگلی صبح ان کی عید مولود قرار پائی، عیسائیوں کے لئے خواہ دیسی ہوں یا یورپین، عزت، حرمت، عظمت میں اس دن سے بڑھ کر اور کوئی دن نہیں ہے۔پچھلی رات کے وقت جو حضرت مسیح علیہ السلام کے پیدا ہونے کا وقت ہے، گرجا میں بڑے زور وشور سے گھنٹے بجنے لگتے ہیں، اور مسلمانوں کی سحری کی طرح بلکہ اس سے کہیں زیادہ چہل پہل ہو جاتی ہے۔گھنٹے نہایت خوش آوازی اور شیریں نغمہ کے ساتھ بجتے ہیں۔باجا بجانے والے بینڈ عیسائیوں کے گھر گھر پھرتے ہیں، اور عیسائیوں کو جگاتے ہیں کہ نجات دینے والا پیدا ہوا ہے، اٹھو، گرجا میں جاؤ۔۔۔‘‘ کچھ سطروں کے بعد لکھتے ہیں: ’’افسوس مسلمان اپنے پیغمبر کے مولود کے دن ایسی خوشیاں نہیں مناتے۔۔۔‘‘(ص ۲،۳)

درج بالا عبارت چیخ چیخ کر بتا رہی ہے کہ عید میلاد کی یہ بدعت تقلیدِ نصاری ہی کی مرہونِ منت ہے۔

قارئین کرام! انصاف درکار ہے!! کیا نبی اکرم ﷺ نے دین حنیف کی تعلیمات میں کسی بھی موڑ پر ایسی کمی کی گنجائش رکھی، کہ جسے پورا کرنے کے لئے یہود ونصاری کی طرف رجوع کرنا پڑے!!! جبکہ ہمارے علم کے مطابق امام الانبیا ﷺ نے زندگی کے ہر پہلو میں یہود ونصاری کی مخالفت کا حکم دیا، اگر ہم راقم موصوف کی طرح عید میلاد کی روایت نصاری سے لینے پر بضد ہیں، تو نبی اکرم ﷺ کی وہ احادیث کہاں جائیں گی جن میں [[(من تشبه بقوم فهو منهم)). ’’جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی تو وہ انہیں میں شمار ہوگا‘‘۔(مسند احمد: ۲/۵۰، مصنف ابن ابی شیبہ: ۴/۲۱۸، ح: ۱۹۳۹۴، شعب الایمان للبیہقی: ۲/۷۵، ح: ۱۱۹۹، واسنادہ حسن)] کی وعیدِ شدید سنائی گئی ہے۔اور اس روش کو دیکھ کر پیارے نبی ﷺ کی وہ پیشین گوئی آج پوری ہوتی دکھائی دیتی ہے، چنانچہ سیدنا ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لتتبعن سنن من كان قبلكم شبرا شبرا وذراعا بذراع ، حتى لو دخلوا جحر ضب تبعتموهم))قلنا:يا رسول الله !اليهود والنصارى؟قال :((فمن)).

’’تم ضرور بضرور اپنے سے پہلوں کے طریقوں پر چلو گے، ہاتھ برابر ہاتھ، اور بازو برابر بازو۔یہاں تک کہ ان میں سے اگر کوئی گوہ کے سوراخ میں داخل ہوا تو تم بھی ان کی پیروی کرو گے۔(صحابہ) ہم نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ وہ یہودی اور عیسائی ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ’’تو پھر کون‘‘۔(صحیح بخاری: ۷۳۲۰، صحیح مسلم: ۲۶۶۹)

۳۔یہی سید ممتاز علی ایڈیٹر اخبار ’’تہذیب نسواں‘‘ مزید رقم طراز ہیں: ’’لیکن ولادت کے باب میں چونکہ اختلاف ہے، اور کئی تاریخیں مشہور ہیں، اس لئے عید کی تاریخ ۱۲ ربیع کے سوا کوئی اور تاریخ مقرر کی جائے تو زیادہ مناسب ہوگا، کیونکہ ۱۲ ربیع تاریخ وفات مشہور ہے، بہتر ہو کہ مختلف روایتوں کی تاریخوں میں سے کوئی ایسی تاریخ منتخب کی جائے، جو سب سے دور کی تاریخ ہو (اس سے معلوم ہوا کہ ولادت کی تاریخ بھی خود بیٹھ کر گھڑی گئی) تا کہ اس کی اطلاع سب بہنوں کو پہنچ جائے‘‘(سبیل الرشاد ص ۱۳)

میلادیوں کی ان تمام عبارات سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ رسمِ میلاد کا موجودہ تصور قریبا ایک صدی قبل یوم وفات کے طور پر جانا جاتا تھا، جسے بعد میں نصاری کی پیروی میں جشن میلاد کے نام سے اہل اسلام میں رائج کیا گیا۔ان تاریخی شواہد سے یہ بات خوب واضح ہو جاتی ہے، کہ مجوزہ جشن میلاد کا اسلام کی تعلیمات سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

عید میلاد کے بارے میں اسلاف کے اقوال

آخر میں سلف میں سے کچھ ائمہ کے عید میلاد کے حوالے سے اقوال ملاحظہ ہوں:

۱۔ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری کے عالم تاج الدین عمر بن علی فاکہانی (م ۷۳۴ھ) فرماتے ہیں: ’’میں اس میلاد کی کوئی دلیل کتاب وسنت میں نہیں پاتا، نہ ہی اس کا عمل ان علماء امت سے منقول ہے، جو دین میں ہمارے پیشوا ہیں اور متقدمین کے آثار کو لازم پکڑنے والے ہیں، بلکہ یہ (عید میلاد) ایسی بدعت ہے جسے باطل پرستوں نے ایجاد کیا ہے اور ایسی نفسانی خواہش ہے جس کا اہتمام شکم پرور (پیٹ پرست) لوگوں نے کیا ہے‘‘۔(الحاوی للفتاوی للسیوطی: ۱/۱۹۰، ۱۹۱)

۲۔آٹھویں صدی ہجری کے ایک اور عالم علامہ شاطبی رحمہ اللہ (م ۷۹۰) نے بھی عید میلاد النبی ﷺ کو بدعت قرار دیا ہے۔(الاعتصام للشاطبی:۳۹/۱)

۳۔ساتویں صدی ہجری کے ایک عالم شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۶۶۱ھ۔۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

''یہ کام سلف صالحین نے نہیں کیا، باوجود اس بات کے کہ اس کا تقاضا (تعظیم رسول) موجود تھا اور کوئی رکاوٹ بھی نہ تھی۔اگر یہ کام بالکل خیر والا یا زیادہ خیر والا ہوتا تو اسلاف اس پر عمل کے حوالے سے ہم سے زیادہ حقدار تھے، کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کی محبت اور آپ ﷺ کی تعظیم میں ہم سے بڑھ کر تھے، اور وہ نیکی کے زیادہ طلب گار تھے''۔

(اقتضاء الصراط المستقیم:ص۲۹۵)

۴۔ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری کے ایک اور عالم علامہ ابن امیر الحاج فرماتے ہیں: ''لوگوں کی ان بدعتوں اور نو ایجاد باتوں میں سے جن کو وہ بڑی عبادت سمجھتے ہیں اور جن کے کرنے کو شعائر اسلامیہ کا اظہار کہتے ہیں، ایک مجلس میلاد بھی ہے جس کو وہ ماہ ربیع الاول میں کرتے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ بہت سی بدعات اور محرّمات پر مشتمل ہے۔۔۔اور اس مجلس میلاد پر یہ مفاسد اس صورت میں مرتب ہوتے ہیں جبکہ اس میں سماع ہو۔سو اگر مجلس میلاد سماع سے پاک بھی ہو اور صرف بہ نیت مولود کھانا تیار کر لیا ہو اور بھائیوں اور دوستوں کو بلایا جائے اور تمام مذکورہ بالا مفاسد سے محفوظ ہو، تب بھی وہ صرف اس نیت کی وجہ سے بدعت ہے اور دین کے اندر ایک جدید امر کا اضافہ کرنا ہے، جو سلف صالحین کے عمل میں نہ تھا، حالانکہ اسلاف کے نقشِ قدم پر چلنا اور ان کی پیروی کرنا ہی زیادہ بہتر ہے''۔(المدخل لابن الحاج:۸۵/۱)

آخر میں بطورِ نصیحت اللہ رب العزت کا وہ پیغام جو اہل ایمان کے نام ہے، ملاحظہ فرمائیں:

''یأیها الذین آمنوا لا تقدموا بین یدی الله ورسوله واتقوا الله ، ان الله سمیع علیم ۔''(الحجرات:آیت:۱)

''اے ایمان والو! (کسی کام میں) اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو، (بلکہ) اللہ سے ڈر جاؤ، بے شک اللہ تعالیٰ خوب سننے والا اور جاننے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حق بات قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔اور سنت رسول ﷺ وصحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلائے۔آمین